مسدس
شاعر اعظم حضرت جوش ملیح آبادی

سینے پہ مرے نقشِ قدم کس کا ہے
رندی میں یہ اجلال و حَشَم کس کا ہے
زاہد مرے اس ہات کے ساغر کو نہ دیکھ
یہ دیکھ کہ اس سر پہ عَلَم کس کا ہے

۵

مسکرا کر جب ہوئی طالع تمدن کی سحر
جنگلوں سے شہر کی جانب مڑی فکرِ بشر

رسائی آرزوئے بام چونکا ذوقِ در
کشتِ خاکِ تار میں اُگنے لگے شمس و قمر

خوشۂ حسنِ زمیں یوں ناز سے پکنے لگا
دابکر دانتوں میں اُنگلی آسماں تکنے لگا

۶

جب اشاروں کو صدا بن کر نکھرنا آ گیا

اور صدا کو لفظ میں ڈھل کر ابھرنا آ گیا

لفظ کو پھر حرف بن کر گل کترنا آ گیا

خاکِ صامت کو بالآخر بات کرنا آ گیا

لب پہ جو کشتیاں چلنے لگیں اعجاز کی

فکرِ انساں کو سواری مل گئی آواز کی

۷

مُنتشر افراد کو مِل جُل کے رہنا آگیا

آدمی کو ایں واں کی آنچ سہنا آگیا

وقت کے دھارے کو بالترتیب بہنا آگیا

جذبۂ احساس میں پھُولوں کا گہنا آگیا

نازے زلفِ لطافت کی گرہ کھُلنے لگی

پھُول کے کانٹے پہ رُوحِ گلستاں تُلنے لگی

۸

سر جھکایا جہل نے پھر علم کے دربار میں

دائرے بننے لگے جنبش ہوئی پرکار میں

آئینے کا ذوق جاگا خاطرِ زنگار میں

سبزۂ ارشاد لہکا گلشنِ گفتار میں

اور پھر سبزے کے تختوں میں روانی آگئی

نوعِ انساں کی زمیں پر بھیگیں جوانی آگئی

٩

شاہ راہِ عام ترشی، مانگ نکلی شہر کی
روشنی کی صبح نے اس مانگ میں افشاں بھری
تابِ افشاں جدولِ نقشیں میں ڈھل کر بہی
زندگی کی نبض ذوقِ شب روی چلنے لگی

سازِ شب سے نغمہ ہائے صبح دم پیدا ہوئے
بستیاں بڑھنے لگیں گلیوں میں خم پیدا ہوئے

آرزوئے خانہ آرائی کی شمعیں جل اٹھیں

کن ہُنر کو صنعت کو خبر نے آنکھیں ملیں

سادہ رُخ تعمیر نے بہو نئی قبا اوڑھیں

سر پہ رکھ کر گنبدوں کے قمقمے ناچی زمیں

سنگریزے پے بہ پے ہنگامے بن گئے

گرد میں ذرّوں نے کچھ یوں لیں کہ تارے بن گئے

(۱۱)

پُر نفس بڑھنے لگی پھر زندگی آتش بجاں

مے چکاں و مشک بریزہ، مہر بیز و مہ فشاں

پُر فشاں، جنباں جہاں، لرزاں، اُڑاں، ترساں دواں

نغمہ خواں گریاں خراماں خوش عناں جولاں تپاں

پتھروں کو پیستی لوہے کو پگھلاتی ہوئی

کوہساروں کے دھوئیں میں پیچ و خم کھاتی ہوئی

۱۲

خشک و تر کو جانچتی ارض و سماں کو بھانپتی

صبح کو مکھڑا دکھاتی شام کو منہ ڈھانپتی

دوڑتی، بڑھتی، لپکتی، دندناتی، ہانپتی

گنگناتی، گھومتی، گھرتی، گرجتی، کانپتی

بربطِ تکرار تخلیقات پر گاتی ہوئی

موت کو نیچا دکھاتی ناز فرماتی ہوئی

۱۳

آدمی میں رفتہ رفتہ آدمیت آ گئی
وضع میں تمکین جذبوں میں نزاکت آ گئی
بات میں تاثیر آنکھوں میں مُروّت آ گئی
رُوح فرسا اجنبیت میں اُخوت آ گئی

شورہائے غم گُساری کو بھڑکنا آ گیا
دل کو اوروں کی مصیبت میں دھڑکنا آ گیا

(۱۴)

کہکشاں جھکی نظر چھونے لگی افلاک کو
فکر برمانے لگی اجرام حیرت ناک کو
اور پھر گیتی کی جانب موڑ کر ادراک کو
آدمی گننے لگا ضربات نبضِ خاک کو

ذہن کے میزان میں تابانیاں تُلنے لگیں
چادرِ ارض و سماں کی سلوٹیں کھُلنے لگیں

۱۵

ساعتوں کو کوک سے بہتی روانی مل گئی

ہر دقیقے کو منظم پرفشانی مل گئی

گنگ لفظوں کو گجر کی نغمہ خوانی مل گئی

عمر کے دھارے کو لوہے کی کمانی مل گئی

سوئیوں کی رو میں لمحوں کو چٹکنا آ گیا

وقت کو آغوشِ آہن میں چھپکنا آ گیا

ناز سے جزوِ مکاں بن کر زماں گانے لگا

طائروں کا ذکر کیا خود آشیاں گانے لگا

زمزمے چھیڑے زمیں نے آسماں گانے لگا

چمنیوں میں کارخانوں کا دھواں گانے لگا

حوصلے نوعِ بشر کے ناز فرمانے لگے

ہات باندھے آب و آتش کے خواص آنے لگے

دیدہ و رخسار اور گوش و زباں کے درمیاں

فاصلوں کی چھٹ گئیں نفسیں بایں بُعد مکاں

ایک دریائے ہم آغوشی ہوا گویا رواں

آ گیا کھنچ کر بالآخر ایک مرکز پہ جہاں

اور یوں آواز محوِ قطعِ منزل ہو گئی

عکس کو بھی قوتِ پرواز حاصل ہو گئی

آتشیں پوشاک پہنی عالمِ ایجاد نے

موم کی گردن میں باہیں ڈال دیں فولاد نے

رت لگی سرد کاندھے پہ شرارے لادنے

ڈبیاں بدلیں بصد اخلاص برق و باد نے

دوڑتے آئے یکایک باہمی امداد کو

یوں اکائی نے پکارا منتشر افراد کو

شعلگی کے نقطہ ہائے شور تک اُڑ لے گئے
سطحِ بینائی پہ تاروں کے گُہر رُولے گئے
سائے تک ناپے گئے اور عکس تک تولے گئے
انجم و ذرّات کے بندِ قبا کھولے گئے

عرش تک فرشِ زمیں کی ہمت عالی گئی
شعلہ و شبنم میں بل دے کر گرہ ڈالی گئی

(۴۰)

ذوق بکھرا کہکشانی بام و در بننے لگے

سنگریزے آئینے، قطرے گہر بننے لگے

برق پارے مُرغ ہائے نامہ بر بننے لگے

آہنی اعصاب ڈھل کر بال و پر بننے لگے

زندگی رُخِ ثُریا کی طرف جانے لگی

قلبِ انجم کے دھڑکنے کی صدا آنے لگی

(۲۱)

اس زمیں کی سمت موڑی یوں کُدالوں نے عناں
ارض کے طبقات کو آنے لگیں انگڑائیاں
پردۂ ظلمات سے جھانکے رموزِ این و آں
ہڈیوں نے اپنے ڈھانچوں کی سُنائی داستاں

تنگ غاروں میں ہوا چلنے لگی پو پھٹ گئی
خفتگانِ خاک کے سر کی رِدائی ہٹ گئی

۲۳

تنگ غاروں سے سلاطینِ کہن پیدا ہوئے

پابہ گُل ریشوں سے ماضی کے چمن پیدا ہوئے

بُت کدوں نے آنکھ کھولی برہمن پیدا ہوئے

خاک کی خوش بو اُڑی گُل پیرہن پیدا ہوئے

مُردہ پروانوں نے آہِ سرد بھر کر بات کی

کشتہ شمعوں نے سُنائیں داستانیں رات کی

چھیڑ کر ذرّوں کے بربط گنگنایا خاکداں
آگئی جنبش میں خواب آگیں چٹانوں کی زباں
بول اُٹھیں سنگِ خارا کی مُرتّب دھاریاں
گونج اُٹھی مُردہ قرنوں کی پُرانی داستاں

نصب ہر ذرّے میں اک پھولوں کا ڈیرا ہو گیا
شام زیرِ ارض کے گھر میں سویرا ہو گیا

وہ جو اوجھل ہو چکے تھے سامنے آنے لگے

گل رخانِ دورِ پیشیں بال بکھرانے لگے

جو مغنّی مل چکے تھے خاک میں گانے لگے

خستہ ماہ و سال اِک اِک پور چٹخانے لگے

چادرِ ذوقِ تجسس میں رفو کرنے لگے

دودہائے سنگ و آہن گفتگو کرنے لگے

دیدۂ بیدار کی مانند کانیں کھل گئیں
جاگ اُٹھے بازارِ ماضی کی دوکانیں کھل گئیں
عصرہائے مہر بر لب کی زبانیں کھل گئیں
گردنِ تاریخ جاں کی ریسمانیں کھل گئیں

بڑھ گئے کچھ اور پردے آگہی کے ساز میں
رس بتایا خاک نے اپنا تھکی آواز میں

سینۂ آہن سے اٹھی موجِ شمشیر و قلم
خاک میں جاگے نقوشِ دیر و ایوانِ حرم
ولولوں میں چھن چھنایا زمزموں کا زیر و بم
کروٹیں لینے لگے پتھر میں بے ترشے صنم

قلبِ زر میں بستہ کنگن چٹکیاں لینے لگے
موتیوں کو ریشمی ڈورے صدا دینے لگے

تار پہ مضراب تھرائی فضا پہ راگنی
چھائی عشووں کی گھٹا چھٹکی ادا کی چاندنی

ناز کی پھوٹی کرن انداز کی چٹکی کلی
دل ربائی نے لیں آنکھیں دلوں سے لو اُٹھی

جنبشِ مژگاں جنوں کی کشتیاں کھینے لگی
چبھ گئے نشتر رگِ ہستی لہو دینے لگی

نرگسِ بیمار کو طرزِ تکلم آ گیا

وہ تکلم جس سے ہونٹوں پر تبسم آ گیا

وہ تبسم جو لئے موجِ ترنم آ گیا

وہ ترنم جس سے دنیا میں تلاطم آ گیا

وہ تلاطم خون میں جس سے روانی آ گئی

وہ روانی باڑھ پر جس سے جوانی آ گئی

نازِ مژگاں، ہستی کو جھپکنا آگیا

آرزو کو وقت کے سینے میں پکنا آگیا

زندگی کو لوریاں دینا تھپکنا آگیا

ولولوں پر رس کی بوندوں کا ٹپکنا آگیا

•

روزِ باران و شبِ مہ کا مزا چکھنے لگیں

فرشِ مخمل پر تمنائیں قدم رکھنے لگیں

بن گیا گلفام ہر اک پارۂ فولاد و سنگ
ذوقِ رنگینی سے ابھرے نقش ہائے رنگ رنگ
جھوم اٹھے ارمان بھی آرزو بھی ترنگ
موتیے کی طرح مہکا ہوش کا انگ انگ

بند ٹوٹے غرفہ ہائے سیم و زر کھلنے لگے
ہر طرف گویا صنم خانوں کے در کھلنے لگے

دامنِ فولاد تشریفِ کتاں بننے لگا

زہر کا افسردہ آبِ جاوداں بننے لگا

تیشہ یوں پگھلا حریر و پرنیاں بننے لگا

سنگ یوں ترشا کہ رخسارِ بتاں بننے لگا

بوندیاں کھنکیں، نقاب الٹی عذارِ حور سے

بنتِ چنگ و رنگ جھانکی غرفۂ انگور سے

پھر درخشاں فکر کی یوں خاک پر برسی شعاع

ظلمتوں کی کوکھ سے پیدا ہوئے سو ماہ تاب

پھر اُڑایا علم نے وہ کوکبِ اجرام یاب

جس کی رو میں اُٹھ رہی ہے ماہِ تاباں کی نقاب

شور برپا ہے کہ میرِ آگہی آنے کو ہے

آسماں پر غلغلے ہیں آدمی آنے کو ہے

جیبِ قدرت صید میں بھر کر تولے کائنات

اہلِ غرق و برق نے دم کا دیا رو بے حیات

ایک اک قطرے کے عقدے سے نچوڑے سو نکات

ایک اک ذرّے کے حلقے سے اُچھالے سو جہات

ایک اک گوشے سے پہناور جہاں پیدا کئے

کائی کے پتوں سے لاکھوں گلستاں پیدا کئے

شکریہ کیوں کر ادا ہو اہلِ ایجادات کا

ایک دریا بہہ رہا ہے طرفہ مصنوعات کا

جگمگا اُٹھا ہے دن کی طرح گھر رات کا

جسمِ آہن میں رواں ہے خونِ احساسات کا

یُوں اُنھوں نے جُزوِ خاک اپنا پسینہ کر دیا

دھات کے آلات کو دانا و بینا کر دیا

جو دھرا ایجاد کرنے میں ہوا تھا کامیاب

عظمتیں غلطاں ہیں اس کے گردبے حد و حساب

پرفشاں پہیے کی ہر گردش بہ فیضِ اضطراب

جیب میں ڈالے ہوئے ہے سو طواؤں کا ثواب

وقت اس کے زیر و بم سے حلقۂ جولاں میں ہے

سو سلیمانوں کی ضو اس خاتمِ رقصاں میں ہے

صاحبانِ علم و فن ہیں محسنانِ زندگی
ورنہ اب تک ٹھوکروں کی زد پہ ہوتا "آدمی"
ان کے ذوقِ جستجو پر جھلکیاں ہیں غیب کی
یہ وہ ماتھے ہیں نہیں اُٹھتے جو سجدوں سے کبھی

ان میں سے ہر فرد اُولیٰ قرنی و حلّاج ہے
سر کا زانو تک پہونچ جانا یہاں معراج ہے

اِن کے آگے موسموں کی سختیاں ہیں شرمسار
کھیلتے رہتے ہیں یہ وحشی عناصر کا شکار
ہاں اُنھیں کی کارسازی سے بصد عزّ و وقار
ہم ہیں آب و خاک کے مولیٰ ہوا کے شہریار

رُعب ہے اپنا مُسلّط کشورِ اضداد پر
کاٹھیاں رکھی ہوئی ہیں پشتِ برق و باد پر

ان کے حسب آرزو مظروف بن جاتا ہے ظرف

قطرہ بنتا ہے عجوبہ ذرہ بنتا ہے شگرف

آگ بن جاتا ہے پانی برق بن جاتی ہے برف

ان کے دم سے دوڑتا ہے رشتۂ آہن پہ حرف

جب یہ اُڑتے ہیں رواں جلووں کا دامن تھامنے

کانپتے ہیں ثابت و سیار ان کے سامنے

ان میں کوئی خود نوازی کے لئے کوشاں نہیں
صرف اک خدمت کی دُھن ہے دوسرا ارماں نہیں
مانگ کھائیں کچھ عبادت سے یہ وہ انساں نہیں
یہ خدایا "آدمی" سے اجر کے خواہاں نہیں

حسن کے خلاق آب و رنگ کے بانی ہیں یہ
شہر یارِ کشورِ اجلالِ انسانی ہیں یہ

مُفکّر
ارباب حکمت وہدایت
پارۂ دوم

(۴۱)

دل کو لیکن سخت استعجاب ہے اے ہم نشیں
اتنے احسانات کے باوصف یہ روشن جبیں
بن نہ پائے زیرِ سقفِ آسماں صدر نشیں
اور تو اور آدمی کے حافظے تک میں نہیں

نام ان کا دہر کے آفاق بینوں میں نہیں
سفینوں میں تو ہیں موجود سینوں میں نہیں

یہ بظاہر ہے بڑی احساں فراموشی کی بات

حافظوں سے محو ہو جائیں دبیرانِ حیات

کون سلجھائے مگر خم ہائے زلفِ نفسیات

صرف اُسے انساں سمجھتا ہے امیرِ کائنات

موڑ کر ذہنِ بشر کو گلستانوں کی طرف

جو اُڑاتا ہے زمیں کو آسمانوں کی طرف

۴۳

بے شک ایجادات و مصنوعات کی درخشندگی
خاک پر برسا چکی ہے بے نہایت روشنی
روشنی بھی وہ کہ جس سے وجد میں ہے زندگی
معنوی خدمت کی لیکن بات ہے کچھ اور ہی

گھر کو جو چمکائے وہ شمع شبستاں اور ہے
سر کو جو درخشندہ کر دے وہ چراغاں اور ہے

(۴۴)

آسمانِ زندگی پر دہن تاباں کا ہلال

مصر کے بازار میں جس طرح یوسف کا جمال

عقل اگر گُل ہو تو شمعِ کشتہ ہے ماضی و حال

لاش ہے انساں اگر جلتی نہیں شمعِ خیال

دارو و درماں سے مردوں کا جلانا اور ہے

زندہ انسانوں کو قبروں سے اُٹھانا اور ہے

دامنِ ہستی کا پھولوں میں بسانا اور ہے
ایک اک کانٹے کے دل میں ڈوب جانا اور ہے
نخلِ تن کا سرو بالا قد بنانا اور ہے
قامتِ دین و تخیل کا بڑھانا اور ہے

بُعد ہائے بحر و بر کے پر کترنا اور ہے
ارتقائی فاصلوں کا قطع کرنا اور ہے

(۴۶)

گنبدِ افلاک پر اُڑنا، اُڑانا اور ہے

زندگی کا کُن سُنا کر مسکرانا اور ہے

ثابت و سیار کو قبضے میں لانا اور ہے

آدمی میں آدمی کا چونک جانا اور ہے

گیتی و گردوں کی پہنائی پہ چھانا اور ہے
اِس گھنے جنگل میں خود اپنے کو پانا اور ہے

طبعِ انسانی کو دے سکتا نہیں جو روشنی
نوعِ انسانی کا آقا وہ نہیں بنتا کبھی
آدمی کو جو غذا دیتا نہیں اخلاص کی
اُمتوں کا مقتدا بنتا نہیں وہ آدمی

•

قبلہ گاہ اُس شخص کو انساں بنا سکتا نہیں
جو بشر کے ذہن کو آگے بڑھا سکتا نہیں

کاہ کی رگ میں جو دوڑا تا ہے خونِ کہکشاں

کھولتا ہے خار کے دل میں جو آبِ گلستاں

گونج اٹھتی ہے رگِ گردن میں جس کی داستاں

نعرہ بنتا ہے اسی کا نام زیرِ آسماں

شمع رکھتا ہے جو وقتِ پُرفشاں کے طاق میں

تا قیامت گونجتا ہے گنبدِ آفاق میں

(۳۹)

سونپتا ہے جو قلندر کو کلاہِ قیصری
جو بناتا ہے زمیں کو آسماں کا مُشتری
چاکری کے سر پہ رکھتا ہے جو تاجِ سروری
بندگی کو بخشتا ہے جو مزاجِ داوری

کھولتا ہے بابِ خود رائی جو ویں انسان پر
ابنِ آدم جھومنے لگتا ہے اپنی شان پر

۵۰

جو عمل کے طاق میں رکھتا ہے شمعِ اعتدال

ڈالتا ہے خنجرِ بُرّاں پہ جو عکسِ ہلال

بخشتا ہے عارضِ احساس کو جو خدّ و خال

جس کے دم سے سانس لینا سیکھ جاتا ہو خیال

نور برساتا ہے جو یوں عالمِ ابصار پر

صبح ہو جاتی ہے طالع مطلعِ افکار پر

۵۱

شامِ بدنظمی کو دیتا ہے جو صبحِ انتظام
باغِ دل میں نصب کرتا ہے جو دانش کے خیام
ڈالتا ہے دشتِ فطرت پر جو چرخِ سقف و بام
بخشتا ہے جسمِ حکمت کو جو اعصابی قوام

فکر و فعل و قول پر رہتا ہے جو چھایا ہوا
جگمگا اٹھتا ہے جس سے قلبِ گہنایا ہوا

لطف سے جو موڑتا ہے جادۂ نفسیات

جو بدل دیتا ہے آب و رنگِ تصویرِ صفات

جس سے بن جاتا ہے تعمیری تصورِ ذی حیات

جس سے تنہائی میں رُوحِ زندگی کرتی ہے بات

محفلِ آفاق میں تابندہ رہتا ہے وہی

نفسِ عالم گیر بن کر زندہ رہتا ہے وہی

جو سمجھتا ہے محلِ حکمِ تعجیل و دُرنگ

جو حَکَم ہوتا ہے مابینِ اُمورِ صُلح و جنگ

جس کو چھو کر پنکھڑی کا رُوپ بھر لیتا ہے سنگ

بخشتا ہے جو نقوشِ فکر کو ترتیبِ رنگ

جھوم کر بادل کی صورت خیمۂ اخلاق پر

پھول برساتا ہے جو تاریخ کے اوراق پر

مرحمت کرتا ہے سینوں کو دوبارہ جو بشر
وقتِ سارق سے متاعِ بردۂ دل چھین کر
نوعِ انساں کو عطا کرتا ہے جو بارِ دگر
آدمی کے دیدۂ باطن کی مسروقہ نظر

اور برآمد کر کے جیبِ دزدِ ایقان کو
بخشتا ہے جاگتا انساں جو انساں کو

ڈھالتا ہے جو نئے سانچوں میں آئینِ جہاں

جو عطا کرتا ہے فکرِ تازہ کو چشم و زباں

جو عمل کے قالب میں نفخ کرتا ہے رواں

بخشتا ہے جو تخیل کے بدن کو استخواں

دن بنا کر خود پرستی کی اندھیری رات کو

جو سکھاتا ہے خرامِ ناز احساسات کو

بخشتا ہے جو سخن سے قلبِ انساں کو دمک

جس کے لعلِ نغز گو سینوں میں بنتے ہیں دھنک

سیکڑوں ذی ہوش انسانوں کو وقتِ مرگ تک

ہر نفس آتی ہے اپنی سانس سے جس کی مہک

انشراحِ صدر کی مہندی لگا کر پاؤں میں

بیٹھتی ہے زندگی جس کی نظر کی چھاؤں میں

ولولوں کی سطح کو دیتا ہے جو آبِ گہر

جس کے روشن سائے میں پروان چڑھتی ہے نظر

جس کے لہجے میں گندھے ہوتے ہیں سو شمس و قمر

جس کے لفظوں کے اُفق پر جگمگاتی ہے سحر

نام رہتا ہے اُسی کا خاطرِ ممنوں میں

جس کے فقرے دوڑتے ہیں آدمی کے خون میں

بخشتا ہے معتدل فکر و عمل کو جو وقار

آندھیوں کو جو بناتا ہے نسیمِ لالہ زار

جس کے ابرِ نُطق سے باقی ہے سیرت برگ بار

معنوی آبائے انسانی میں ہوتا ہے شمار

بارشیں قرنوں کی اُس کا قصر ڈھا سکتی نہیں

آندھیاں اُس کے چراغوں کو بُجھا سکتی نہیں

حسین
پارۂ سوم

تھا انھیں آبائے انسانی میں اک فردِ جلیل

قبلۂ عالم، امامِ عصر، امیرِ بے عدیل

اعتبارِ موجِ کوثر، آبروئے سلسبیل

فخرِ اسمٰعیلؑ، جانِ مصطفےٰؐ، نازِ خلیلؑ

محورِ گیتی و گردوں، مرکزِ دنیا و دیں

مہبطِ آوازِ حق، مخدومِ جبریلِ امیں

شاہِ اربابِ حوادث، شارحِ دینِ وفا

مخزنِ جنسِ ہدایت، مصدرِ صدق و صفا

صاحبِ امر قدر، سلطان آئین قضا

شاہدِ گل پیرہن، شہزادۂ رنگیں قبا

کردگارِ عصرِ عرفاں، شہریارِ زندگی

کشتۂ حق، فاتحِ مرگ، افتخارِ زندگی

ماہِ ایماں، راہِ عرفاں، شاہِ احساں، جاہِ دیں

شانِ حق، آنِ کرم، جانِ صفا، کانِ یقیں

پُورِ حیدر، صورِ جہاں، نُورِ جاں، طُورِ مُبیں

آبِ ایقاں، بابِ ضو، تابِ فلک، دابِ زمیں

اوجِ بامِ دل نوازی، موجِ بحرِ التفات

بدرِ چرخِ سرفروشی، صدرِ بزمِ کائنات

عالمِ اسرارِ عالم، عارفِ ذات و صفات

ناظمِ شہرِ ثقافت، ناشرِ اخلاقیات

ناصرِ حق، پیکرِ آئین، دستورِ نجات

نازشِ تاریخ، میرِ وقت، دارائے حیات

حرمتِ دیں، نطقِ مُبیں، درسِ عمل، فخرِ مِلل

رابطہ دستِ مشیت، نغمۂ سازِ ازل

۶۳

مطلعِ مہرِ شہادت، مشرقِ ماہِ شہود

مُصلحِ اوضاعِ ہستی، معنیِ حشرِ وجود

منزلِ اشراق، معراجِ بشر، موجِ صعود

منبرِ الطاف، محرابِ کرم، میزانِ جود

مظہرِ حُسنِ عمل، شمعِ حریمِ حیدری

مُورثِ اقطابِ عالم، وارثِ پیغمبری

مُنکسر، خوددار، شبنم طبع، صفدر، بُردبار

صبر پیماں، شام گُستر، روز در شب زندہ دار

تاج کوب، اورنگ سوز، ایواں شکن، سُلطاں شکار

اوصیا، اجلال، پیغمبر حشم، یزداں وقار

جامع ابریق و سنداں صاحب سیف و قلم

چترِ حق بالائے سر، تاجِ شہاں زیرِ قدم

شمعِ عرفاں، آفتابِ رُشد، قندیلِ حصول
مشعلِ بابِ نبوت، کعبۂ حسنِ قبول
بوستانِ مرتضیٰ، فردوسِ آغوشِ بتولؓ
زینت اور رنگِ قدرت راکبِ دوشِ رسولؐ

اسمِ اعظم در بغل گل ہائے عرفاں در کلاہ
خلد بر کف آسماں بر دوش کرسی بر نگاہ

عصرِ حسینؑ
(پارۂ اوّل)

ہاں اُسی کے دور میں گیتی پہ چھایا تھا جنوں
آدمی پر چل گیا تھا حُبِّ دولت کا فسُوں
بج رہے تھے منبروں پر سیم و زر کے ارغنوں
حملہ آور ہو گئی تھی دین پر دُنیائے دُوں

ظلمتوں کے ٹھٹ لگے تھے روشنی کے سامنے
موت مُنہ کھولے کھڑی تھی زندگی کے سامنے

(۶۹)

خیر و شر کے قاعدے سود و زیاں کے ضابطے

زیست کے محکم اصول ، فسانے کے مسئلے

کیف و کم کی مشعلیں اقدار نازک کے دیئے

رہگذار باد پر رکھے ہوئے تھے دیے

بڑھ چکے تھے برق رو طوفاں سفینوں کی طرف

اٹھ رہے تھے سیکڑوں گھن آبگینوں کی طرف

جمع تھے گنجِ ہدایت میں جو معنی کے گہر
علم و حلم و بذل و فضل و رافت و فکر و نظر
روشن آوازوں کے انجم شستہ لہجوں کے قمر
آ رہی تھی آنچ اُن کل سکہ ہائے نور پر

قاہری بے چین تھی کروٹ بدلنے کے لئے
شعلہ جھپٹا تھا شگوفوں کو نگلنے کے لئے

لیلیٔ حق کے اُجاڑے جا رہے تھے خد و خال

مصحفِ دوراں کے پھاڑے جا رہے تھے ماہ و سال

نعرہ ہائے شہریاری نے بذوقِ جاہ و مال

چھین لی تھی گوشِ انسانی سے آوازِ بلال

لے رہی تھی پینگ تاریکی دلوں کے شہر میں

بہہ رہی تھی دھوپ صلح و آشتی کی نہر میں

(۷۲)

قصرِ شاہی میں جھنجھوڑی جا رہی تھی زندگی

دستِ وحشت سے جھنجھوڑی جا رہی تھی زندگی

موت کی خاطر نچوڑی جا رہی تھی زندگی

سُوئے تاج و تخت موڑی جا رہی تھی زندگی

اور چھوڑا جا رہا تھا زندگی کے باغ کو

توڑ کر موتی کھلائے جا رہے تھے زاغ کو

بجھ گئے تھے ہر روش پہ رُشد کے نقشِ قدم
چُگ رہا تھا بہترین اوصاف کو بُومِ دژم
خندہ زن تھا قصر کی صَولت پہ دَولت کا بھرم
پرفشاں تھا خود حرم کے بام پر شاہی عَلم

چل پڑا تھا لشکرِ حیوانیت انسان پر
پاؤں رکھا چاہتی تھی خسروی قرآن پر

(۷۴)

گھر چکی تھی تیرگی کی یورشوں میں شمعِ طُور
شُعلہ ہائے روشنی ہونے ہی کو تھے چُور چُور
زلزلوں کی حکمرانی تھی زمیں پر دُور دُور
ہل رہے تھے قصر ہائے مقبلانِ ذی شعُور

پختہ کارانِ جہاں بھی صیدِ فکرِ خام تھے
انبیاء عرش بریں پر لرزہ بر اندام تھے

(۷۵)

تیرگی کی جیب میں تھی دولتِ شمس و قمر
جل رہا تھا خانۂ دیرینۂ فکر و نظر
زندگی پر یوں جہنم کا تسلط دیکھ کر
اک عظیم انسان بہرِ خدمتِ نوعِ بشر

رنگ بھرنے زندگی کے نقش میں قانون کا
دوش پر لے کر سبو آیا خود اپنے خون کا

خونِ حسینؑ

(دورِ زوالِ جہاں بانی)

(اوّل)

پارۂ خامس

جس کے ہر قطرے میں تھی قلزم کی طغیانی وہ خُون
کاہ جس کی راہ میں تھا کوہِ سلطانی وہ خُون
جس کے آگے خسروی کی آگ تھی پانی وہ خُون
غرق ہو کر رہ گئی جس میں جہانبانی وہ خُون

جس کی موجوں میں خمِ تیغ و مزاجِ سنگ تھا
نوحؑ کا طوفان جس کے دبدبے سے دنگ تھا

جو لوائے عزم و اعلانِ صداقت تھا وہ خوں
جو چراغِ حکمت و شمعِ ہدایت تھا وہ خوں
خاک پر جو آبشارِ آدمیت تھا وہ خوں
جو علیلِ انسانیت کا غسلِ صحت تھا وہ خوں

جس نے ظلمت کو خیابانِ چراغاں کر دیا
کفر پر وہ رنگ برسایا کہ ایماں کر دیا

(۷۹)

جو طبیبِ چارہ سازِ نوعِ انساں تھا وہ خوں

گردنِ قاتل پہ جو شمشیرِ بُرّاں تھا وہ خوں

ساغرِ مقتول میں جو آبِ حیواں تھا وہ خوں

جو نبوّت کے ادارے کا نگہباں تھا وہ خوں

عرصۂ آفاق جس کی وسعتوں پر تنگ تھا

جس کے پرتو سے رُخِ پیغمبری گُل رنگ تھا

(۸۰)

جس میں غلطیدہ تھا اوجِ رُوحِ انسانی وہ خُون

جس میں تھی رُوح الامیںؑ کی بال جنبانی وہ خُون

جس میں تھی مہرِ نبوّت کی درخشانی وہ خُون

دیکھتے تھے جس میں مُنہ آیاتِ قرآنی وہ خُون

جس کی ہر اک بوند میں طوفانِ صد آہنگ تھا

جس میں روئے مرتضےٰؑ و مصطفےٰؐ کا رنگ تھا

چرخ پر مانندِ ابرِ کعبہ جو چھایا وہ خون

جس نے رُخِ نوعِ انسانی کو چونکایا وہ خون

ڈوبتے قرآن کو ساحل پہ جو لایا وہ خون

خود مشیت کے جو آڑے وقت کام آیا وہ خون

کاٹ کر باطل کا سر اپنی انوکھی دھار سے

جس نے یزداں کو بچایا اہرمن کے وار سے

بنتِ پیغمبرؐ کی جس میں نوحہ خوانی تھی وہ خوں
زینبؑ و کلثومؑ کی جس میں کہانی تھی وہ خوں
پھول سے بچے کی جس میں بے زبانی تھی وہ خوں
قاسمؑ و اکبرؑ کی جس سے نوجوانی تھی وہ خوں

جس کی ہر اک بوند میں یادِ علم بردار تھی
جس سے اک بیمار کی زنجیر میں جھنکار تھی

ہاں اسی کی رَو میں رُوحِ صفدری آگے بڑھی

خامشی کانپی، نشیدِ حیدری آگے بڑھی

تھرتھرائیں ظلمتیں، پیغمبری آگے بڑھی

جگمگائی صبحِ تابِ داوری آگے بڑھی

اِس زمیں کو دادِ اوجِ آسماں دینے لگا

ذرّہ ذرّہ قبلہ رُو ہو کر اذاں دینے لگا

ہیبتِ حق، دہشت انگیزوں پہ طاری ہو گئی

ہر بلکِ آنکھیں جُھکیں ڈر کر تو بھاری ہو گئی

تاج داری کی جلالت غرقِ خواری ہو گئی

پارہ پارہ، آبروئے شہریاری ہو گئی

خُون کے بادل اُٹھے قلعوں کی بنا مُڑ گئے

اور یُوں برسے پہاڑوں کے پرخچے اُڑ گئے

نوحۂ غم بن گیا ہر نغمۂ فتح و ظفر
دابِ حق سے زلزلے خود ہو گئے زیر و زبر
قصر کی تکمیل سے ابھری شکستِ بام و در
فرقِ شاہنشاہ پر گھن بن گئی قندیلِ زر

گردنیں خود اپنی ہی تیغوں سے کٹ کر رہ گئیں
کشتیاں ساحل پہ آتے ہی الٹ کر رہ گئیں

صاحبانِ آب و ساغر دشت و صحرا بن گئے

خستگانِ تشنہ لب تسنیم و طوبیٰ بن گئے

دیو پیکر صیدِ مرگِ صبر پیما بن گئے

اور جو بے جان تھے رشکِ مسیحا بن گئے

کیا غضب ہے جو ڈراتے تھے وہ خود ہی ڈر گئے

یہ عجب ہے جی اٹھے مقتول قاتل مر گئے

۸۷

یوں بجھا کر رکھ دیے آہوں نے دولت کے دیے

آنسوؤں میں بہہ گئے طبل و عَلم کے دبدبے

بیڑیوں کی گونج سے ایوان تھرانے لگے

ایک بی بی کی خطابت نے وہ ڈالے زلزلے

اشک بخوں روشن ہوئے نظروں سے تارے گر گئے

خاک پر قصرِ حکومت کے منارے گر گئے

۸۸

گوہرِ خوش آب نے شعلے کو پانی کر دیا
ضعف نے طاقت کو صیدِ ناتوانی کر دیا
فقر نے دولت کو محوِ نوحہ خوانی کر دیا
دین نے دُنیا کو وقفِ سرگرانی کر دیا

صرف اک تنویر نے ظلمت کی خندق پاٹ دی
پنکھڑی کی دھار نے لوہے کی گردن کاٹ دی

منافقین اسلام
دوم
پارۂ خامس

اہلِ دل سے کہہ رہی ہے یہ مؤرخ کی زباں
بعدِ پیغمبر ہوئی تھیں کس طرح سرگوشیاں
چھا گیا تھا ہر طرف کس طرح دولت کا دھواں
کیا دبے پاؤں چلے تھے سازشوں کے کارواں

اب بھی اُن امواج میں ڈوبی پڑی ہے کربلا
ہاں انھیں کی ایک تاریخی کڑی ہے کربلا

کربلا میں امرِ حق کی برتری سے جنگ تھی
طاقتِ نانِ شعیرِ حیدری سے جنگ تھی
عظمتِ دیرینۂ پیغمبری سے جنگ تھی
جس کا قرآں میں ہے ذکر اُس داورِ ی سے جنگ تھی

کب نفاق اربابِ حق سے برسرِ پیکار تھا
وہ خُدا پر آخری لات و ہبل کا وار تھا

کفر نے کاٹا نہیں تھا مصحفِ ناطق کا سر
اصل میں قرآن وہ پھینکا گیا تھا پھاڑ کر
حملہ آور ابنِ حیدر پہ نہ تھے اربابِ شر
ضرب تھی وہ اصل میں اسلام کی بنیاد پر

چند جاں بازوں کی جانب رخ نہ تھا آفات کا
دن پہ وہ در اصل دھاوا تھا اندھیری رات کا

وہ نہ تھا اُفتادِ طینتِ حق کا صوتی ارتعاش
مصطفٰےؐ سے دشمنی کا وہ ہُوا تھا راز فاش
خیمۂ شبیرؑ کو گھیرے نہیں تھے بد قماش
گردنِ حق کے لئے تھی ریسماں کی وُہ تلاش

اَشقیا جھپٹے نہ تھے ابنِ شہِ لولاکؐ پر
اصل میں بُت آستینوں سے گرے تھے خاک پر

"اے مُحبّانِ حسینؑ"

(۹۵)

کچھ خبر بھی ہے محبانِ حسینؓ دور بیں
موت ہے شبیریت کے دائرے میں انگبیں
اتباعِ مرشدِ حق پر دورِ عہد آفریں
کاروبارِ مرگ ہے بازیچۂ طفلاں نہیں

زہر سے لبریز ہے جامِ حسینؓ ابنِ علیؓ
جان دینا ہو تو لو نامِ حسینؓ ابنِ علیؓ

رعبِ سلطانی کو ٹھکرا دُو تو لو نامِ حسینؑ

بوستے رن میں نہ گھبرا دُو تو لو نامِ حسینؑ

دشمنوں کی پیاس بجھوا دُو تو لو نامِ حسینؑ

موت کی چھاتی پہ چڑھ جاؤ تو لو نامِ حسینؑ

حلق سے تیغوں کا منہ موڑو تو لو نامِ حسینؑ

برگ سے فولاد کو توڑو تو لو نامِ حسینؑ

خود پہ بابِ تشنگی کھولو تو لو نامِ حسینؑ
دل کو برق و رعد میں تولو تو لو نامِ حسینؑ
دوست دارِ دشمناں ہو لو تو لو نامِ حسینؑ
تیغ کے نیچے بھی سچ بولو تو لو نامِ حسینؑ

ظلم کی تعمیر کو ڈھا دو تو لو نامِ حسینؑ
شمع سے آندھی کو ٹکرا دو تو لو نامِ حسینؑ

خود کو تیغوں کی طرف ریلو تو لو نامِ حسینؑ

مُسکرا کر آگ سے کھیلو تو لو نامِ حسینؑ

جُملہ مِحَن سختیاں جھیلو تو لو نامِ حسینؑ

اوّل اپنا امتحاں لے لو تو لو نامِ حسینؑ

دل پہ رکھ لو خوب ہمت کو تو لو نامِ حسینؑ

جانچ لو اپنی شرافت کو تو لو نامِ حسینؑ

۹۹

خانہ بربادی پہ اتراؤ تو لو نامِ حسینؓ
بے کسی پر ناز فرماؤ تو لو نامِ حسینؓ
چاند سے ٹکڑوں کو گہناؤ تو لو نامِ حسینؓ
رن میں اک بے شیر کو لاؤ تو لو نامِ حسینؓ

بے کسی کی موت نعمت ہو تو لو نامِ حسینؓ
دھوپ میں سونے کی ہمت ہو تو لو نامِ حسینؓ

عشق تو دستور پہ جو سر کٹا سکتا نہیں

جو خود اپنے ہی چراغوں کو بجھا سکتا نہیں

تان کر سینے کو جو میداں میں آ سکتا نہیں

موت کو جو اپنے کاندھے پر اٹھا سکتا نہیں

ہاں خود اپنے خون میں کشتی جو کھے سکتا نہیں

وہ حسینؑ ابن علیؑ کا نام لے سکتا نہیں

اے حسینؑ
"پارۂ سادس"

اے حسینؑ ابن علیؑ اے خسروِ روحانیاں

اے دماغِ پختہ کی آواز اے دل کی زباں

اے شہِ کتابِ ابد اے راکبِ عصرِ رواں

موت سے تیری اُبلتی ہے حیاتِ جاوداں

تو ازل سے تا ابد پھیلا ہوا منشور ہے

اے کہ تیرا وقت کے دونوں سروں پر نور ہے

کر دیا تو نے یہ ثابت اے دلاور "آدمی"

زندگی کیا موت سے لیتا ہے ٹکر "آدمی"

کاٹ سکتا ہے رگِ گردن سے خنجر "آدمی"

لشکروں کو روند سکتے ہیں بہتّر "آدمی"

ضعف ڈھا سکتا ہے قصرِ افسرِ اورنگ کو

آبگینے توڑ سکتے ہیں حصارِ سنگ کو

پُشت پر تیری ہیں اتنی عظمتوں کے کارواں
سجدہ کرتی ہے زمیں کو صولتِ ہفت آسماں
یُوں ترے سر پہ ہے گرداں چترِ عمرِ جاوِداں
دنگ ہیں تاجِ مسیحؑ و خضرؑ کی تابانیاں

تو بشر کی ہمّت عالی کا وہ اعجاز ہے
جس پہ یزداں و بشر دونوں کو اب تک ناز ہے

تو صدا دے کر بلاتا جو سوئے آبِ جُو
تشنہ لب انسان مرجاتا بھٹک کر کُو بہ کُو
اہلِ دُنیا پر بِنائے آرزوئے رنگ و بُو
اہرمن کی سمت مُڑ جاتا اگر ہوتا نہ تُو

اِس زمیں پر کھینچ کر تو نے حدیں آئین کی
زلزلوں کی پشت پر رکھ دی بِنا تمکین کی

پرتوِ آیات ہے تیرے دلِ حساس پر
تو گہر افشانِ قلم ہے کوزئہ قرطاس پر
زندگی تُلتی ہے تیرے خون کی مقیاس پر
کشتیِ ایثار چلتی ہے ترے انفاس پر

کاروانِ ارتقا کا رہبرِ کامل ہے تُو
سینۂ گیتی و گردوں کا دھڑکتا دِل ہے تُو

۱۰۷

تیری موجِ نطق میں ہے نغمۂ سازِ حیات
تیرا ہر خطِ جبیں ہے جادۂ ذات و صفات
تیری ہر موجِ نفس ہے انشراحِ کائنات
تیری مژگاں کی ہر اک لرزش ہے تفسیرِ حیات

جھومتے رہتے ہیں عرش و فرش تیرے سامنے
زندگی جنبش میں آتی ہے تیری آواز سے

نصب تو نے کردیئے انساں کی عظمت کے خیام

مرحمت تو نے کیا توقیرِ آدم کو دوام

جھوم کر تو نے شہادت کا پیا جس وقت جام

رُخِ دوراں نے محمدؐ کو کیا جھک کر سلام

مصطفیٰؐ کی کشتیٔ نازش کو کھینے کے لئے

انبیاء آئے مبارک باد دینے کے لئے

تشنگی کو موجِ یم نے مبارک باد دی
خاک داں کو عرشِ اعظم نے مبارک باد دی
فاتحِ خیبر کو آدمؑ نے مبارک باد دی
فاطمہ زہراؑ کو مریمؑ نے مبارک باد دی

فتح کے نغمات نکلے زندگی کے ساز سے
کبریا نے قدسیوں کی سمت دیکھا ناز سے

(۱۱۰)

ذرّہ ذرّہ جلوہ گاہِ ماہِ کنعاں ہو گیا
حلقۂ خشت و خزف گوہر بہ داماں ہو گیا
بارگاہِ آدمیت میں چراغاں ہو گیا
رشتہ بر پا ذہنِ انسانی خراماں ہو گیا

پیکرِ ہستی میں نبضِ مُدّعا چلنے لگی
جس سے جی اُٹھتے ہیں مُردے وہ ہوا چلنے لگی

اے حسینؑ اب تک ترا نقشِ قدم تابندہ ہے
زندہ ہے، پائندہ ہے، تازندہ ہے، رخشندہ ہے
روشن و پائندہ و بالندہ و بخشندہ ہے
گام زن تو جس پہ تھا وہ جادہ اب تک زندہ ہے

ضو فگن ہے ذہن کے ہر بند پر ہر جوڑ پر
شمع جو تابندہ ہے تیری گلی کے موڑ پر

(۱۱۳)

سیکڑوں قلزم بلا کرتے ہیں تیرے جام سے
سیکڑوں گردوں بنا کرتے ہیں تیرے بام سے
کس غضب کی لو نکلتی ہے ترے پیغام سے
زندگی کو جھرجھری آتی ہے تیرے نام سے

گونجتا ہے رُوح میں ہر نغمہ تیرے ساز کا
آج بھی کوندا لپکتا ہے تری آواز کا

(۱۱۳)

اے حسینؑ ابنِ علیؑ اے شہِ یزداں صفات
نور سے تیرے جھلکتی ہے جبینِ کائنات
محو ہو جائیں اگر دنیا سے تیرے واقعات
گنبدِ تاریخ پر چھائے ہیبت ناک رات

بھول سکتا ہی نہیں انسان قربانی تیری
حافظؔ کے فرق کا جھومر ہے پیشانی تیری

اے فضائے قدس کے ابرِ خراماں السّلام

السّلام اے شمعِ ایوانِ عرفاں السّلام

السّلام اے طرّۂ تاجِ شہیداں السّلام

السّلام اے ذوالکلام و زندہ قرآں السّلام

السّلام اے سطوتِ محراب و منبر السّلام

السّلام اے خسروِ ناموسِ اکبرؒ السّلام

اے گلوئے زیرِ شمشیرِ عدو تجھ پر سلام

کربلا کی خاک پر بہتے لہو تجھ پر سلام

دودمانِ مصطفےٰ کی آبرو تجھ پر سلام

اے بہ خونِ غلطیدہ زلفِ مشک بو تجھ پر سلام

دینِ اہلِ درد و جانِ اہلِ ماتم السّلام

شانۂ ایماں کے اے گیسوئے برہم السّلام

شاہِ غم کی شان، میرِ سوگواراں السّلام

شمعِ افسردہ، شامِ غریباں السّلام

اے مرے ڈوبے ہوئے مہرِ درخشاں السّلام

اے دیارِ فاطمہؑ کے ماہِ کنعاں السّلام

قلبِ تسلیم و رضا کے صبر وافر السّلام

السّلام اے دشتِ غربت کے مسافر السّلام

سینۂ عباسؑ کے سوزِ نہانی کو سلام

توسنِ ابنِ مظاہرؑ کی روانی کو سلام

اصغرؑ معصوم تیری بے زبانی کو سلام

اکبرِؑ نوخیز تیری نوجوانی کو سلام

مصطفیٰؐ کے لال کو حیدرؑ کے پیارے کو سلام

فاطمہؑ زہرا تری آنکھوں کے تارے کو سلام

اے زمین کی خسروی گردوں کی شاہی کو سلام

اے مدینے کی نسیمِ صبح گاہی کو سلام

اے شہادت کی ادائے کج کلاہی کو سلام

اے اجل کے روندنے والے سپاہی کو سلام

اے مرے سالار اے مرے جری تجھ پر سلام

ناخدائے کشتیٔ پیغمبری تجھ پر سلام

پھر بشر کے ذہن پر عکسِ جنوں ہے یا حسینؑ

پھر حقیقت رہن اوہام و فسوں ہے یا حسینؑ

پھر دلِ اقدار نازک غرقِ خوں ہے یا حسینؑ

پھر بشر باطل کے آگے سرنگوں ہے یا حسینؑ

اے دلِ انجام کو پھر گرمیٔ آغاز دے

لے بہادر وقت کی آواز پر آواز دے

ہو چکے ہیں غرق پھر شیرازہ بندی کے عروق

پھر رواں ہیں ذلتیں سوئے تشخّص جوق جوق

پھر شریعت ہے مساواتِ بشر کی بے وثوق

پھر خجل ہیں نوعِ انسانی کے بنیادی حقوق

پھر بغاوت کر رہا ہے زندگی سے "آدمی"

دیکھ پھر ٹکرا رہا ہے "آدمی سے آدمی"

پھر حیاتِ نوعِ انسانی ہے گھبرائی ہوئی

گُل پڑے ہیں وَلولے جرأت ہے مُرجھائی ہوئی

پھر زمین و آسماں پر موت ہے چھائی ہوئی

موت بھی کیسی خود اپنے ہات کی لائی ہوئی

چہرۂ اُمید کو رخشندگی دے "یا حسینؑ!"

زندگی دے، زندگی دے، زندگی دے یا حسینؑ!!

عکس اپنا ڈال پھر اس خاکِ داں پر اے حسینؑ
پھر عطا فرما حدیثِ دل کو منبر اے حسینؑ
بخش دے پھر بستہ قطرے کو سمندر اے حسینؑ
زورِ حیدرؑ، زورِ حیدرؑ، زورِ حیدر اے حسینؑ

خشک ہونے پر ہے جوئے عزمِ انساں یا حسینؑ
موجِ طوفاں، موجِ طوفاں، موجِ طوفاں یا حسینؑ

پھونکتا پھرتا ہے پھر سرمایہ داری کا وقار

اُٹھ چکا ہے پھر عوامی برتری کا اعتبار

پھر خزاں کی آستاں بوسی پہ نازاں ہے بہار

پھر خدا کا ذوقِ تخلیقِ بشر ہے شرمسار

پھر زبوں ہے نفسِ انسانی کی حالت یا حسینؑ

آ، کہ پھر دُنیا کو ہے تیری ضرورت یا حسینؑ

(۱۲۴)

جہل پھر رکھے ہوئے ہے علم کے سر پہ قدم
خاک میں پھر مل چکا ہے آدمیت کا بھرم
زندگی پر مارتے پھرتے ہیں ٹھوکریں پھر درم
کھل چکا ہے پھر دلِ انساں میں ہونے کا علم

پھر دفِ زر بج رہا ہے شور ہے اشرار کا
صف شکن یہ وقت ہے پھر تیغ کی جھنکار کا

(۱۲۵)

ہم کو تیرا، اور خود بھی خون کے دھارے میں تیر

دیکھ دیوارِ حرم تک آچکا ہے سیلِ دَیر

شیرِ دولت نعرہ زن ہے تیغ اٹھا اے رُوحِ خیر

راہ پر چاندی نہیں آئے گی لوہے کے بغیر

یوں نہیں للکار، ہم بڑھ کر چٹانیں توڑ دیں

خیبرِ تہذیبِ زر کی سمت باگیں موڑ دیں

اے مجاہد رُوح! پھر سینوں کو دے سوزِ شرر

اے مقدّس تشنگی سوآج ہو سر سے گذر

اے پیمبر موت! انوکھی زندگی بن کر اُبھر

اے مقرّر خامشِ منبر پہ آ، تقریر کر

اے لہو پھر قشقۂ پیشانیٔ کردار بن

اے جراحت میان سے باہر نکل کر تلوار بن

دیکھ پھر قصرِ جہنم بن چکا ہے رُوزگار

آج بیں غلطیدہ ہے پھر خمیۂ لیل و نہار

سرزمیں پر حکمراں ہے با ہزاراں اقتدار

آتش و دُود و دُخان و شعلہ و برق و شرار

زندگی ہے برسرِ آتش فشانی یا حسینؑ!

آگ دُنیا میں لگی ہے آگ، پانی یا حسینؑ!!